رسائل و مسائل

اسلامی عقائد اور موجودہ مسلمان فرقے

مجدد و مہدی کے خطابات کا استعمال

سوال:- میں نے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور آپ کا عقیدہ پڑھ کر ایمان اور بڑھا۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اس عقیدے کا اعلان کرے وہ مسلمان ہے، خواہ کسی اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا میری یہ رائے صحیح ہے؟ میں نے ترجمان القرآن میں شیعہ گروہ کے بارے میں آپ کا جواب پڑھا ہے کہ ہم نے اپنا عقیدہ بتا دیا ہے اور جو کوئی اس عقیدہ پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمان ہے۔ بالفاظ دیگر ایک شخص شیعہ ہو یا سُنی، اس عقیدہ کو قبول کرنے کی صورت میں اسے مسلمان شمار ہونا چاہیے۔ میرا خیال یہ ہے کہ موجودہ اسلامی فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا فرقہ نہیں جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں سب کلمہ گو آپ کے نزدیک اسلامی معاشرے میں داخل ہیں۔

اس کے بعد میں مزید یہ عرض کرتا ہوں کہ جماعت اسلامی کا ممبر صرف مسلمان بن سکتا ہے جو اس کے عقیدہ پر ایمان رکھتا ہو، غیر مسلم اس میں نہیں آسکتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر مسلم مثلاً عیسائی، ہندو وغیرہ کو پہلے مسلمان بننا ہے اور اسلامی معاشرہ کے محل میں جس کا دروازہ صرف ایک کلمہ ہی کا دروازہ ہے۔ پہلے کلمہ پڑھ کر ہی اندر آنا ہے۔ اس کے بعد باقی ارکان پر عمل کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ان باتوں سے میری یہ غرض ہے کہ آپ اپنی تحریروں میں جہاں "مسلمانوں کے مسلمہ فرقے" کے الفاظ لکھتے ہیں[1] وہاں "تمام موجودہ اسلامی فرقے" کے الفاظ لکھا کریں۔ کیونکہ "مسلمہ

[1] یہ اصطلاح علماء کے ایک مشترک بیان میں استعمال ہوئی ہے نہ کہ ہماری تحریروں میں۔

فرقوں" کے الفاظ سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ آپ کے نزدیک بعض فرقے مسلّم نہیں ہیں۔ مثلاً شیعہ اور قادیانی وغیرہ۔ حالانکہ وہ آپ کے محولۂ بالا عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

مجدّد کے لیے دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ لوگ اس کے کام سے اس کو پہچانیں گے۔ اور مہدی بھی ایک مجدّد کامل ہوگا جو تمام علوم ظاہری و باطنی سے آگاہ ہوگا۔ اب صدی کا سرا آچکا ہے، اور اس وقت اُن تمام علامات کو دیکھا جائے تو وہ آپ میں پائی جاتی ہیں۔ مَیں نے پچھلے مجدّدوں کے کارنامے دیکھے ہیں۔ بعضوں نے دعویٰ کیا اور بعضوں نے نہ کیا، مگر وہ مجدّد تھے اور لوگوں نے ان کو مجدد کہا اور انہوں نے انکار نہیں کیا۔ اب مجھے بتائیں کہ مَیں ان تمام علامات کو دیکھ کر آپ کو مجددِ وقت اور مہدیٔ زماں نہ کہوں تو گنہگار ہوں گا۔ جب مَیں نے پہچان لیا اور خدا نے مجھے روشنی دی تو میں کیوں انکار کروں اور کیوں نہ اپنے خیالات کو پھیلاؤں کہ مجدّدِ وقت پیدا ہو چکا ہے۔ آخر امامِ وقت کو نہ پہچاننا جہالت کی موت ہے۔ مَیں آپ سے اجازت مانگتا ہوں کہ مجھے اپنے خیالات کو پھیلانے کی اجازت دیں۔ جو کوئی آپ کو پہچان کر مانے گا وہ دنیا کے کسی فتنہ سے مرعوب نہیں ہوگا کیونکہ اب وقت آگیا ہے کہ علماءِ سُوء اٹھیں اور مجددِ وقت کے خلاف فتوے شائع کریں۔ جو ایمان کے کمزور ہوں گے وہ بھاگ جائیں گے اور ہماری جماعت خالص اسلامی جماعت ہوگی۔[1]

اسلامی پنچایت کے متعلق میری یہ تجویز ہے کہ قوم کی تنظیم اس طرح کی جائے کہ گاؤں کے ایک محلہ سے اس کا آغاز ہو۔ دس آدمی مل کر اپنا امیر چُن لیں جس کی ایمانداری، اصابتِ رائے اور تقویٰ پر سب سے زیادہ آدمیوں کا یقین ہو، جو ان سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔ پھر یہ دس امیر مل کر اسی اصول پر اپنا ایک صدر چنیں، علیٰ ہٰذا القیاس یہ سلسلہ اوپر تک ارتقاء کرتا جائے۔

جواب: ہم نے جماعت اسلامی کے دستور میں اسلامی عقائد کا جو خلاصہ دیا ہے ہمارے نزدیک اس کا ماننے والا ہر شخص مسلمان ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اسے کون مانتا ہے اور کون

[1] واضح رہے کہ جناب سائل خود جماعت اسلامی کے رکن نہیں ہیں۔ (نائب مدیر)

نہیں مانتا۔ اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اسے مختلف گروہوں کے سامنے پیش کیجیے اور پوچھ لیجیے کہ آپ اسے ملتے ہیں یا نہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ اس کے کسی جُز کو نہ مانتے ہوں ہم ان کی تکفیر کرتے ہیں تکفیر کرنے کے بجائے ہم انہیں ایسی گمراہی میں مبتلا سمجھتے ہیں جو ان کو کفر و اسلام کی درمیانی سرحد پر لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ ان میں سے بعض کا تو ایک پاؤں سرحد کے باہر ہے اور ایک سرحد کے اندر اور بعض بالکل سرحد کے کنارے لگے کھڑے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ مختلف فرقوں کے بارے میں ہماری یہ رائے اپنی جگہ سمجھنے کے لیے ہے تاکہ ہم ان کی پوزیشن صحیح طور پر سمجھ کر ان کے ساتھ اپنا رویہ متعین کریں۔ یہ رائے اعلان کرتے پھرنے اور جھگڑنے کے لیے نہیں ہے۔ ہم جھگڑوں اور مناظروں اور فتوے بازیوں کے بجائے خلق اللہ کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور بگڑے ہوئے لوگوں کے بگاڑ کی تشخیص صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا علاج ٹھیک طریقہ سے کیا جا سکے۔ نہ اس غرض سے کہ انہیں کاٹ پھینکا جائے۔

مجدّد اور مہدی کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے مجھے ہرگز اتفاق نہیں ہے۔ اور نہ میں آپ کو یا کسی شخص کو یہ اجازت دے سکتا ہوں کہ آپ میرے متعلق اس قسم کا کوئی خیال ظاہر کریں اور اسے لوگوں میں پھیلائیں۔ بلکہ میری آپ سے یہ التجا ہے کہ براہِ کرم اس خیال کو اپنے دل سے بھی نکال دیجیے۔ اول تو حقیقت میں مجدد اور مہدی وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں مجدد یا مہدی قرار پائے، نہ کہ وہ جو خود دعویٰ کرے یا جسے لوگ ایسا سمجھیں۔ دوسرے یہ کہ اس طرح کسی خاص اصطلاح اور خاص نام سے کسی شخص کی پوزیشن مشخص کرنے کی فی الواقع کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص راہِ راست پر ہے تو بس اسے راست رو سمجھیے ہکیے اور اس کا ساتھ دیجیے۔ آخر ضرورت کیا پڑی ہے کہ آپ اس کے لیے القاب اور خطابات تجویز کریں، اور وہ بھی ایسے جن سے خواہ مخواہ فتنہ رونما ہو؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے

آج تک کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں کس لقب کا مستحق ہوں، یا دین میں میرا مرتبہ اور منصب کیا ہے۔ مجھے تو بس یہ فکر ہے کہ کسی طرح خدا کے دین کی کوئی ایسی خدمت کر جاؤں جو اللہ کے ہاں میرے گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہو سکے اور میرا حشر عباد الطاغوت کے بجائے عباد الرحمٰن کے ساتھ ہو سکے۔ اس سے زیادہ جو کچھ میرا مالک مجھے دے اس کا فضل ہے۔ ورنہ میرے لیے تو بس یہی بڑی کامیابی ہے۔ بڑے سے بڑا منصب جس کی مجھے تمنا ہے وہ مومن قانت ہونے کا منصب ہے اور وہ بھی خالق کی نگاہ میں نہ کہ محض خلق کی نگاہ میں۔ خلق کی بڑی مہربانی ہو گی اگر وہ میرے لیے کوئی منصب تجویز کرنے کے بجائے خدمتِ دین میں میرا ہاتھ بٹائے، یا کم از کم روڑے اٹکانے اور فتنوں میں اُلجھانے سے باز رہ جائے۔

اسلامی پنچایت کے بارے میں جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنے حال کے اجلاس میں جو نقشہ تجویز کیا ہے وہ ہمارے نزدیک سردست موزوں ترین ہے۔ اِلّا یہ کہ آگے چل کر تجربہ سے اس کے اندر کوئی خامی نظر آئے۔ بہر حال اس وقت ہم اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

تصوّف کا فسادِ مزاج

سوال:۔ رسالہ ترجمان القرآن میں اس قسم کے دوسرے سوالات کے جوابات پڑھنے اور خاص کر مولانا حکیم عبدالرشید صاحب کے مضمون کا جواب پڑھنے کے بعد میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ زیادہ اُلجھنے اور صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اگر دفع شر کے خیال سے بعض حضرات کی غلط فہمیاں دُور کرنے کی غرض سے آپ اتہامات کی تردید کر دیا کریں تو بہتر ہو گا۔

مولانا امین احسن صاحب نے جو اپنی مضمون میں تصوف کے متعلق جو کچھ لکھا ہے

اگرچہ عام صوفیاء اور عام مروجہ تصوف کے متعلق شاید یہ درست ہو لیکن حضرت گنگوہیؒ یا حضرت تھانویؒ یا اس سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے ہاں تصوف جس شکل وصورت میں پیش کیا گیا ہے اس کے متعلق اتنے تیز الفاظ استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ حاشا و کلا میں گروہی عصبیت کی بنا پر یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ بلکہ جہاں تک میں نے ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، انہوں نے بڑی شد و مد سے بار بار یہ سمجھایا ہے کہ اصل تصوف صرف اطاعتِ خدا و رسول ہے۔ یہ طریقے محض تدبیریں ہیں۔ یہ وسائل ہیں مقاصد نہیں۔ ان میں کمی بیشی، تبدیلی کی جا سکتی ہے، اور وہ حضرات حالات و اشخاص کے اعتبار سے تبدیلیاں کرتے بھی رہے ہیں۔ مولانا عبدالباری ندوی کی نئی مطبوعہ کتاب "تجدید تصوف وسلوک" میں یہ سارے مباحث تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تنقید کرتے وقت عبارت کچھ اس انداز کی ہونی چاہیے کہ مطلقاً تمام صوفیاء کرام اس کی لپیٹ میں نہ آسکیں۔ کیونکہ اس طرح کے عام الفاظ کو لے کر شرارت پسند غلط پروپگنڈا کرتے ہیں اور پھر معتقدین و مریدین کے جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ اگر پہلے سے احتیاط برتی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا؟

آپ سے ایک استفسار کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے صوبہ میں اب ووٹروں کی فہرستیں بن رہی ہیں۔ میں اپنا اور خاندان کے دوسرے مردوں کا نام تو بہرحال درج کرا دوں گا عورتوں کے نام بھی درج کیے جا رہے ہیں۔ میں خود تو اپنے طور سے بہ حیثیتِ مسئلہ یہ سمجھتا ہوں کہ عورتوں کو ووٹ ڈالنے کے قضیہ میں شامل کرنا درست نہیں۔ اور خاص کر موجودہ ماحول میں تو عورتوں کے ووٹ ڈالنے اور ووٹ کے لیے جانے کو تو نا جائز سمجھتا ہوں پنجاب میں مَیں نے خود اپنی آنکھوں جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر اتنا تو مجھے وثوق کامل ہے کہ موجودہ ماحول میں عورت کا ووٹ ڈالنے کے لیے نکلنا گناہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ووٹروں کی فہرست میں عورتوں کے نام درج ہی نہ ہوں اور اپنے خاندان کی عورتوں کے

نام درج نہ ہونے دونگا۔ مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ نام لکھ دیئے جائیں تاکہ اس سے یہ تو معلوم ہو سکے کہ اس قصبہ میں اتنے ووٹر ہیں۔ کیونکہ اس پر حلقہ کے حدود متعین کیے جائیں گے اور نام درج نہ کرنے سے مجموعی علاقہ اور قصبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ پھر اگر کوئی ووٹ نہ دینا چاہے تو اُس وقت نہ جائے، عورت گھر بیٹھی رہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر نام درج ہو گیا تو اگر وہ عورت خود گھر میں بیٹھی رہے تو ہمارے یاران شاطر جعلی ووٹ بھگتانے کے بھی تو ماہر ہیں، کسی اور کو اس کی جگہ بھیج دیں گے۔ الغرض آپ منقح طور سے فرمایئے کہ میں اس بارے میں کیا رویہ اختیار کروں، تاکہ خود بھی عمل کروں اور اپنے حلقۂ احباب و متعلقین میں بھی اس کے مطابق کام شروع کروں۔

جواب: تصوف کے متعلق جہاں تک مولانا امین احسن صاحب کے مضمون کو میں نے دیکھا ہے، اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی زد تمام صوفیاء پر پڑتی ہو۔ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ مروجہ تصوف ہی کے متعلق لکھا ہے۔ لیکن میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ تصوف کے جو پاکیزہ ترین سلسلے کہے جا سکتے ہیں، جن کو وقت کے بڑے بڑے صاحب نظر علماء نے بدعات سے پاک کرنے اور شریعت کے مطابق بنانے کی انتہائی کوشش کی ہے، وہ بھی بعض اُن خرابیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے ہیں جو تصوف کی ذات میں پیوست ہو کر رہ گئی ہیں۔ مجھ سے مولانا حسین احمد صاحب کے ایک مرید نے، جو ریلوے گارڈ تھے، مولانا کے زمانۂ اسیری میں ایک دفعہ کہا کہ نہ معلوم کیا بات ہے جو مولانا جیل میں بیٹھے ہوئے ہیں، ورنہ وہ جب چاہیں باہر آ سکتے ہیں۔ انہیں کون قید رکھ سکتا ہے؟ پھر انہوں نے چپکے سے یہ راز کی بات مجھے بتائی کہ اب بھی مولانا وقتاً فوقتاً باہر آ کر اپنا کام کر جایا کرتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب کے ایک مرید، بلکہ صاحب اجازت خلیفہ، جو متوسط درجہ سے کچھ زیادہ ہی اونچے درجہ کے عالم ہیں، جماعت اسلامی سے حرف بحرف متفق تھے۔ مجھ سے خود انہوں نے متعدد مرتبہ اعتراف کیا کہ اپنے علم کی حد تک میں اس تحریک کو سراسر حق پاتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود وہ صرف اس لیے جماعت سے الگ رہے اور آج تک الگ ہیں کہ حضرت اس جماعت سے مطمئن

نہیں ہیں"۔ اس طرح کی ایک نہیں، بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلسلہ خواہ کتنا ہی پاک ہو، اور تعلیم خواہ کتنی ہی صحیح ہو، مگر کچھ برائیاں پیری مریدی میں ایسی گہری اُتر چکی ہیں کہ اچھے سے اچھے لوگوں کے مرید بھی ذہنی غلامی، اور رجال کو مدارِ حق بنانے، اور اپنے پیروں کے متعلق فوق الانسانی تصورات رکھنے سے محفوظ نہیں ہیں۔ مولانا اسماعیل شہید اور شاہ عبدالحی صاحب جیسے لوگ سید صاحب کی شخصیت کے بارے میں جو مبالغے کر گئے ہیں وہ ان کے تذکروں میں ملاحظہ فرمالیجیے۔ نظری حیثیت سے حضرت سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے تصوف سے زیادہ پاکیزہ تصوف شاید ہی کوئی ہو۔ مگر ان کی شہادت کے بعد ان کی غیبوبت کا عقیدہ اور ظہورِ ثانی کا انتظار اس مطہر سلسلۂ تصوف میں بھی پیدا ہو کر رہا اور بڑے بڑے ذی علم اور صالح مرید اس میں مبتلا ہوئے، حتیٰ کہ ایک گروہ آج تک ان کے ظہورِ ثانی کا منتظر ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ کسی طرح تصوف کے اصل مقصد یعنی اخلاص للہ و توجہ الی اللہ کو ایسے طریقوں سے حاصل کیا جائے جو ان خرابیوں سے پاک ہوں۔ اس غرض کے لیے ہم اُن متصوفانہ طریقوں کو ترک کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے نزدیک خرابی کے موجب ثابت ہوئے ہیں، اور جنہیں کوئی صاحب علم صوفی مباح سے زیادہ درجہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ان کے بجائے ہم دوسرے ایسے طریقے اس مقصد کے حصول کے لیے اختیار کرنا چاہتے ہیں جو کم از کم اسی درجہ میں مباح تو ہیں ہی، ورنہ ہم تو ان کے متعلق یہ بھی ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں کہ ہم نے ان میں سراسر قرآن اور حدیث کا اتباع کیا ہے اور کوئی ایک چیز بھی ایسی اختیار نہیں کی ہے جس کا ماخذ قرآن اور سنت میں موجود نہ ہو۔ اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر فی الواقع یہ لوگ متصوفانہ طریقوں کو محض تدابیر اور مباحات کے درجہ ہی میں رکھتے ہیں اور انہیں کمی بیشی، تغیر، تبدل کے قابل سمجھتے ہیں تو پھر انہوں نے کیوں ہمارے خلاف اس قدر شور و غل برپا کر رکھا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ہماری رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں، مگر یہ فتوے بازی اور طعن و تشنیع کیوں ہو رہی ہے؟

رائے دہندوں کی فہرست میں خواتین کے نام درج کرنے کے متعلق آپ نے جو سوال کیا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ جب خواتین کو ووٹ کا حق دیا گیا ہے تو ان کے نام تو فہرستوں میں ضرور درج کرائے جانے چاہئیں۔ البتہ ووٹ دینے یا نہ دینے کا انہیں اختیار ہے۔ نام درج کرانے اس لیے ضروری ہیں کہ بالفرض جماعت آپ کے علاقے میں کام کرتی ہے اور آپ کی اور ہماری توقعات کے برخلاف وہ علاقہ بہت جلدی اس حد تک تیار ہو جاتا ہے کہ ہم اسے اپنی انتخابی جد و جہد کے لیے اختیار کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں اگر ہمارے بہت سے ووٹ سرے سے درج ہی نہ ہوں تو یہ ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگا۔ خواتین کے ووٹ ڈلوانے کے بارے میں جماعت کی مجلس شوریٰ نے پچھلے اجلاس میں جو فیصلہ کیا ہے اسے آپ ملاحظہ فرمائیں۔

چند کاروباری صورتوں کا شرعی حکم

سوال:۔ ہمیں کاروباری معاملات میں چند ایسی صورتوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ جن کے بارے میں پوری طرح اطمینان نہیں ہوتا۔ براہ کرم کتاب و سنت کے علم کی روشنی میں ان معاملات کی حقیقت واضح فرمائیں:۔

۱۔ زمیندار یا دیہات کے بیوپاری کپاس کا وزن، نوعیت (quality) جس مدت میں وہ مال پہنچاویں گے، اور نرخ طے کر کے سودا کر جاتے ہیں۔ کچھ پیشگی بھی دے دی جاتی ہے۔ زبانی یا تحریری یہ سب کچھ طے ہو جاتا ہے، مال نہیں دیکھا جاتا۔ اور نہ یہ ممکن ہے۔ انہیں شرائط پر ہم کارخانہ دار کو جتنا مال کپاس ہم نے خریدا ہوتا ہے مقررہ مدت کے اندر ہم دینا طے کر لیتے ہیں مگر عموماً کارخانہ دار پیشگی نہیں دیتے۔

۲۔ بعض اوقات جبکہ ہم نے کوئی مال خریدا ہوا نہیں ہوتا یا کسی مال کا سودا ابھی نہیں کیا ہوتا، ہم پیشگی ہی کارخانہ دار کے ساتھ مال کی کوالٹی، وزن، نرخ وغیرہ لکھ کر اور مدت طے کر کے سودا کر لیتے ہیں۔ بعد میں مال خرید کر کے بھگتان کر دیتے ہیں۔ ان

دونوں صورتوں میں نرخ پہلے مقرر کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ کارخانہ دار کو مال بغیر نرخ مقرر کرنے کے سپلائی کرتے جاتے ہیں۔ اُس کے ساتھ طے کر لیتے ہیں کہ ہم دو صد یا ہزار من مال دیں گے اور ایک مدت مقرر کر لیتے ہیں کہ اُس کے اندر اندر ہم نرخ مقرر کریں گے جس دن ہمیں نرخ اچھا معلوم دے ہم اُسی دن فکس کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات مال پہنچانے کے بعد ہم دو ماہ تک کا وقفہ بھی نرخ مقرر کرنے کے لیے لے لیتے ہیں۔ کارخانہ دار مال کے پہنچنے پر ہمیں کچھ پیشگی یعنی حاضر نرخ کا ۶۰ یا ۶۵ فی صدی ادا کرتا رہتا ہے۔ نرخ مقرر کرنے پر کل رقم ادا ہو جاتی ہے۔

۴۔ اس طرح کے سودے کپاس اُترنے پر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو کپاس اُترنے سے دو چار ماہ پیشتر ہی ایسے سودے کرنے شروع کر دیتے ہیں۔

جواب: ۔ آپ نے کپاس کے سودے کی جو صورتیں بیان کی ہیں ان کے احکام الگ الگ نمبروار بیان کیے جاتے ہیں:۔

صورت اول و دوم میں بیع سَلَم کی شرائط میں سے ایک اہم شرط نہیں پائی جاتی یعنی یہ کہ سودا طے ہونے کے ساتھ ہی قیمت پوری کی پوری پیشگی ادا ہو۔ یہ بیع سَلَم کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ چونکہ یہ شرط ان دونوں صورتوں میں مفقود ہے۔ اس لیے یہ معاملات بیع سَلَم کے حدود سے خارج ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ معاملات اس بنا پر درست ہیں کہ دراصل یہ "بیع" کے معاملات نہیں ہیں بلکہ معاہدے کے معاملات ہیں۔ یعنی فریقین آپس میں یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک فریق ایک وقت مقرر پر، یا ایک مدتِ مقررہ کے اندر اس قسم کا اتنا مال اس نرخ پر دوسرے فریق کو مہیا کرے گا۔ اور دوسرا فریق یہ عہد کرتا ہے کہ وہ ان شرائط پر اُسے خریدیگا۔ اس قسم کا معاہدہ کرنا جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی بشرطیکہ معاہدہ کرنے والے معاہدے ہی کی نیت کریں، یہ نہ سمجھیں کہ ایک فریق نے مال بیچا اور دوسرے نے خرید لیا۔

تیسری صورت میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نرخ کے معاملہ کو معلق رکھا جاتا ہے اور یہ چیز نہ صرف یہ کہ معاہدے کی صحت میں مانع ہے بلکہ اس میں جھگڑے کے اسباب بھی موجود ہیں۔ اس میں اس امر کا امکان ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک نرخ مقرر کرنے کے معاملہ کو ایسے وقت پر ٹالنے کی کوشش کرے جبکہ بازار کا بھاؤ، اس کے مفاد کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ اور اس طرح ان کی کشمکش نزاع کی صورت اختیار کرے۔

کپاس اُترنے پر جو سودے کیے جاتے ہیں ان کے معاملہ میں تو صحیح صورت یہ ہے کہ سیدھا سیدھا بیع کا معاملہ ہو، یعنی بائع کے پاس جتنا مال موجود ہو وہ اسے دکھا کر مقرر نرخ پر فروخت کرے، اور مشتری مال کو دیکھ کر طے شدہ نرخ پر اسے خریدے اور اپنے قبضے میں لے لے۔

محرّمات کی حُرمت کے وجوہ

سوال:- چند روز سے رفقاء کے درمیان محرمات کے سلسلے میں ایک مسئلہ زیر بحث ہے جو میں ذیل میں تحریر کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ از راہِ کرم اس پر روشنی ڈال کر مشکور فرمائیں گے۔

مناکحت کے سلسلے میں ایک عورت اور دوسری عورت میں کیوں امتیاز کیا گیا ہے کہ بعض کو عقد میں لایا جا سکتا ہے اور بعض محرمات کی فہرست میں آتی ہیں؟ اگرچہ ابتدائے انسانیت میں ایسی کوئی قید نظر نہیں آتی ہے جیسا کہ ہابیل اور قابیل کے قصے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ کیا اس قسم کی شادیاں حیاتیاتی مفاسد کا موجب بھی بن سکتی ہیں؟

امید ہے کہ آپ اس کا جواب ترجمان القرآن میں شائع فرما دیں گے تاکہ دیگر حضرات کے لیے بھی استفادہ کا باعث ہو۔

جواب: محرمات کی فہرست میں جن عورتوں کو شامل کیا گیا ہے، ان کے حرام ہونے کی اصل وجہ حیاتیاتی حقائق نہیں ہیں بلکہ اخلاقی اور معاشرتی حقائق ہیں۔ آپ خود غور کریں کہ جس ماں کے شہوانی جذبات بھی اپنے بیٹے سے متعلق ہو سکتے ہوں کیا وہ اتنے پاکیزہ و مطہر جذبات کے ساتھ بیٹے کو پال سکتی ہے جیسے ماں اور بیٹے کے تعلقات میں ہونے چاہئیں؟ اور کیا بیٹا ہوش سنبھالنے کے بعد ماں کے ساتھ وہ معصومانہ بے تکلفی برت سکتا ہے جو ماں اور بیٹے کے درمیان اب ہوتی ہے؟ اور کیا ایک گھر میں باپ اور بیٹے کے درمیان رقابت اور حسد کے جذبات پیدا نہ ہو جائیں گے اگر ماں اور بیٹے کے درمیان ابدی حرمت کی دیوار حائل نہ ہو؟ ایسا ہی معاملہ بہن اور بھائی کا بھی ہے۔ اگر ابدی حرمت ان کے درمیان قائم نہ ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ بھائی بہن ایک دوسرے کے ساتھ معصوم روابط اور شہوات سے پاک محبت اور شبہات سے بالاتر بے تکلفی برت سکتے؟ کیا اس صورت میں بھی یہ ممکن ہوتا کہ والدین اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو سن بلوغ کے قریب پہنچنے پر ایک دوسرے سے دور رکھنے کی کوشش نہ کرتے؟ اور کیا کوئی شخص بھی کسی لڑکی سے شادی کرتے وقت یہ اطمینان کر سکتا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں سے بچی ہوئی ہو گی؟ پھر اگر خسر اور بہو کے درمیان، اور ساس اور داماد کے درمیان ابدی حرمت کی دیواریں حائل نہ کر دی جاتیں تو کس طرح ممکن تھا کہ باپ اور بیٹے اور ماں اور بیٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ رقیبانہ کشمکش میں مبتلا ہونے اور ایک دوسرے کو شبہ کی نظر سے دیکھنے سے بچ جائیں؟ اس پہلو پر اگر آپ غور کریں تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ شریعت نے کن اہم اخلاقی و معاشرتی مصلحتوں کی بنا پر ان تمام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لیے حرام کر دیا ہے جن کے درمیان ایک گھر، ایک خاندان اور ایک دائرہ معاشرت کے اندر قریب ترین روابط اور بے تکلف روابط فطرۃً ہوتے ہیں اور معاشرتی ضروریات کے لحاظ سے ہونے چاہئیں۔ بیٹے اور بیٹیاں پل ہی نہیں سکتیں اگر ماں اور باپ دونوں اس طرف سے بالکل مطمئن نہ ہوں کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی شہوانی علاقہ اپنی اولاد کے ساتھ نہیں ہے۔ ایک

ہی گھر میں لڑکوں اور لڑکیوں کا پلنا غیر ممکن ہو جائے۔ اگر بہن کے معاملہ میں بھائیوں کے درمیان اور بھائی کے معاملہ میں بہنوں کے درمیان شہوانی رقابتیں پیدا ہونے کا دروازہ قطعی طور پر بند نہ ہو۔ خالائیں اور پھوپھیاں اور چچا اور ماموں اگر شبہ سے بالاتر نہ کر دیے جائیں تو بہن اپنی اولاد کو اپنے بھائی بہنوں سے، اور بھائی اپنی اولاد کو اپنے بھائی بہنوں سے بچانے کی فکر میں لگ جائیں۔

خنزیر اور درندوں کے گوشت کی حرمت کیوں؟

سوال: - قرآن نے چند چیزیں حرام کیوں قرار دی ہیں؟ طبی نقطۂ نگاہ سے یا کسی اور وجہ سے؟ ان میں کیا نقصانات ہیں؟ خنزیر کو خاص طور پر نام لے کر کیوں شدت سے حرام قرار دیا گیا ہے؟ کیا یہ سب سے زیادہ مضر حیوان ہے؟ چیرنے پھاڑنے والے جانور اور خون وغیرہ کیوں حرام قرار دیے گئے ہیں؟

جواب: - قرآن میں جن چیزوں کو کھانے سے منع کیا گیا ہے اُن کی حرمت میں ممکن ہے کہ ضمناً کچھ لحاظ ان کے طبی نقصانات کا بھی ہو، مگر اصل وجہ حرمت طبی نہیں بلکہ اخلاقی اور اعتقادی ہے بعض چیزیں اعتقادی بنیادوں پر حرام کی گئی ہیں جیسے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ - اور بعض چیزیں اخلاقی نقصانات کی وجہ سے حرام کی گئی ہیں، جیسے خنزیر - ان چیزوں کے اخلاقی نقصانات کا ہمیں پورا علم نہیں ہے، مگر کسی حد تک اپنے مشاہدات کی بناء پر ہم اُن کو جان سکتے ہیں - مثلاً خنزیر کے متعلق دنیا کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس کا گوشت نہایت بے حیائی پیدا کرنے والا ہے۔ جو قومیں اسے کثرت سے استعمال کرتی ہیں اُن کے اخلاقی حالات اس پر گواہ ہیں - دنیا میں شاید خنزیر ہی ایک ایسا[1] جانور ہے جس کی ایک مادہ کے گرد بہت سے نر جمع ہو جاتے ہیں اور باری باری سے ایک دوسرے کے سامنے اس کے ساتھ جفتی کرتے ہیں - اب آپ خود دیکھ لیں کہ بے حیائی

[1] اس معاملہ میں غالباً کتا اس کی ہمسری کر سکتا ہے۔ (ن ح)

کی یہ خاص نوعیت کن قوموں میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ جن قوموں کے آداب مجلس (Ettiquette) میں یہ چیز داخل ہو کہ مجلس میں ایک شخص کی بیوی لازماً دوسرے شخص کے پہلو میں بیٹھے، اور بال روم میں اپنی بیوی کے ساتھ خود ناچنا رشک و تنگ دلی کی علامت ہو اور اسے دوسروں کے ساتھ سینے سے سینہ ملا کر ناچنے کے لیے چھوڑ دینا فراخ دلی اور مروت کی دلیل سمجھی جائے، ان کے اس اخلاقی تخیل کا ماخذ اگر آپ تلاش کریں گے تو بعید نہیں کہ اس کا سراغ اُس جانور کی جبلت ہی میں آپ کو مل جائے جس کا گوشت ان کے ہاں کثرت سے کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح درندہ جانوروں کے متعلق بھی ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان کا استعمال خونخواری پیدا کرنے والا ہے۔ بہتے ہوئے خون یا بہلائے ہوئے خون کے استعمال سے بھی درندگی اور قساوت کا پیدا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔

کیا یہ تنابز بالالقاب ہے؟

سوال:- آپ کی جماعت کا دعویٰ ہے کہ وہ اقامتِ دین کے لیے کھڑی ہوئی ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ اور آپ کی جماعت ہمیشہ جماعت احمدیہ کو "مرزائی جماعت" یا "قادیانی جماعت" کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ حالانکہ یہ امر دیانت کے بالکل خلاف ہے کہ کسی کو ایسا نام دیا جائے جو اُس نے اپنے لیے نہیں رکھا۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی جماعت کا نام "جماعت احمدیہ" رکھا ہے اور اُن کی جماعت کے افراد بھی اپنے آپ کو "احمدی" کہتے ہیں۔ مگر اُن کے مخالفین تعصب کی وجہ سے انہیں "مرزائی" یا "قادیانی" پکارتے ہیں۔ کیا دینِ اسلام میں یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا آپ یہ پسند فرمائیں گے کہ آپ کی جماعت کے افراد کو "مودودیے" کہا جائے۔ اگر آپ یہ پسند نہیں فرماتے تو

پھر آپ اور آپ کی جماعت دوسروں کے لیے ایسا کیوں پسند کرتی ہے؟

واضح رہے کہ آپ نے ترجمان القرآن جلد ۳۵، ۳۶ عدد ۵، ۶، ۱ کے صفحہ ۱۴۶ پر تحریر فرمایا ہے:

"میں اپنی حد تک یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کبھی اپنی غلطی تسلیم کرنے میں نہ تامل ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا، بشرطیکہ میری غلطی دلائل سے ثابت کی جائے نہ کہ سب وشتم سے۔"

جواب: کسی جماعت کو اس کے معروف نام سے یاد کرنا، جبکہ فی الواقع اس میں توہین کا بھی کوئی پہلو نہ ہو، ناجائز نہیں ہے۔ احمدی حضرات نے اپنا نام "احمدی" پسند کیا ہے، یعنی وہ اپنے آپ کو بانئ سلسلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ عرفِ عام میں ان کا نام "قادیانی" رائج ہو چکا ہے، یعنی عوام الناس ان کو بانئ سلسلہ کے وطن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں تذلیل و تحقیر کا کونسا پہلو ہے اور یہ خلافِ دیانت کیوں ہے۔ اگر یہ خلافِ دیانت ہے تو وہ سارے ہی عرف ناجائز اور خلافِ دیانت قرار پائیں گے جو لوگوں میں رائج ہیں۔

جماعت اسلامی کے افراد کو "مودودیے" کہنے پر ہمیں اس لیے اعتراض ہے کہ ہم اپنے مسلک اور نظام کو کسی شخصِ خاص کی طرف منسوب کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ "مودودی" تو درکنار ہم تو اس مسلک کو "محمدی" کہنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ یہ تو "اسلام" ہے جس کے مُوجد ہونے کا شرف کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لیے اسے کسی انسان کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ ہمیں "نوحیے" یا "ابراہیمیے" کہیں گے تب بھی ہمیں وہی اعتراض ہوگا جو "مودودیے" کہنے پر ہے۔ بخلاف اس کے مرزا صاحب اور ان کے متبعین نے اپنے مسلک و جماعت کو خود ہی ایک شخصِ خاص کی طرف منسوب کیا ہے، اور عوام نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اس شخص کے بجائے اس کے وطن کی طرف انہیں منسوب کر دیا۔ یہ کوئی ایسی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ سلسلۂ چشتیہ بھی بانئ سلسلہ کے بجائے ان کے وطن کی طرف

منسوب ہو کر مشہور ہوا ہے۔ یہی معاملہ سلسلۂ سہروردیہ، سنوسیہ، شطاریہ وغیرہ کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں ان سلسلوں کی توہین کا کوئی پہلو ہے۔ رہا لفظ "مرزائی" تو البتہ اسے میں پسند نہیں کرتا اور میں نے خود کبھی اسے استعمال نہیں کیا، اِلّا یہ کہ کسی نے اپنے سوال میں یہ لفظ استعمال کیا ہو اور میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے حکایتہً اسے استعمال کر لیا ہو۔

خلاصۂ رُوداد مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان

منعقدہ یکم تا ۴ ستمبر ۱۹۵۱ء بمقام لاہور

ملک کے موجودہ حالات اور بعض دوسرے ضروری مسائل پر غور اور مشورے کے لیے امیر جماعت، اسلامی پاکستان مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس آغاز ستمبر ۱۹۵۱ء میں طلب کیا تھا۔ اس اجلاس میں بجز خان سردار علی خاں صاحب (صوبہ سرحد) کے، جو بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، مجلس کے تمام ارکان شریک ہوئے۔ یہ اجلاس یکم سے ۴ ستمبر تک جاری رہا۔ کل ۹ اجلاس منعقد ہوئے۔ ان میں مجلس نے حسب ذیل اہم قراردادیں پاس کیں:۔

ملک کی موجودہ نیم جنگی صورتِ حال | مجلس نے اس صورتِ حال کے ہر پہلو پر اور اس کے تمام ممکن نتائج پر تفصیل کے ساتھ غور کیا اور اس پالیسی اور پروگرام سے کامل اتفاق کا اظہار کیا جسے امیر جماعت نے ملک میں جنگی حالات پیدا ہونے کے بعد جماعت اسلامی شہر لاہور کے ہفتہ وار اجتماعات منعقدہ ۲۲، ۲۹ جولائی اور ۵ اگست ۱۹۵۱ء میں تقاریر کی صورت میں پیش کیا ہے۔

نوٹ:۔ یہ تینوں تقریریں "فریضہ دفاع پاکستان اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں اور دفتر جماعت اسلامی شہر لاہور، نزد تھانہ گوالمنڈی، لاہور سے مل سکتی ہیں۔

سالانہ اجتماعِ عام | مجلس شوریٰ نے بالاتفاق طے کیا کہ:۔